مولانا محمد اشرف علی اعظمی
متعلم تکمیل افتاء دارالعلوم دیوبند

مدارس اسلامیہ میں عصری علوم کتنے مفید، کتنے مضر

ام المدارس دارالعلوم دیوبند اور اس کے منہاج پر قائم دیگر مدارس میں رائج نصاب تعلیم (درس نظامی) پر ایک عرصہ سے سوالات اٹھائے جارہے ہیں، اور دور حاضر کے ''تقاضوں'' کا حوالہ دے کر اس میں تبدیلی کا مطالبہ کیا جارہا ہے، یہ چیز اس لحاظ سے تو ان مدارس کے لئے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی کہ اس کا سلسلہ تقریباً ایک صدی سے جاری ہے، لیکن گزشتہ چند سالوں سے جس طرح مدارس کے نصاب کو لے کر تبصرے ہورہے ہیں اور جس انداز سے مباحثے کی مجلسیں اور سیمیناروں کی بزم سجا کر اس پر رائے زنی کی جارہی ہے اس کی نظیر ماضی میں نہیں ملتی، اور اس سے ارباب مدارس میں تشویش کا پیدا ہونا فطری امر ہے۔

ایک جانب تو حکومت کو شکایت ہے کہ: ارباب مدارس، ملک کے سیکولر نظام اور مذہبی آزادی کا فائدہ اٹھا کر، من مانے ڈھنگ سے مدارس کا نظام چلارہے ہیں، نہ تو انہیں قوم کی ترقی کا خیال ہے نہ ہی ملک کی خوشحالی کا، یہ ایک ایسی نسل تیار کررہے ہیں جو دوسروں پر بوجھ بنتی ہے، حالات زمانہ سے بے خبر رہتی ہے، اور ملک کی تعمیر وترقی سے اسے کچھ لینا دینا نہیں ہوتا لہٰذا ارباب مدارس کو چاہیے کہ وہ اپنے نصابِ تعلیم میں ''جدید علوم'' کو جگہ دیں، اور طلبا کو باعزت شہری اور خودکفیل بنانے کی سبیل پیدا کریں۔''

دوسری طرف خود مسلمانوں میں ایک بڑا طبقہ، نصاب تعلیم کے حوالے سے، ارباب مدارس سے سخت نالاں اور شاکی ہے، اس طبقہ میں انگریزی خواں ''روشن خیال'' بھی ہیں اور قدیم وجدید کا ''سنگم'' کہے جانے والے مدارس کے فضلاء ومنتسبین بھی، انہیں شکایت ہے کہ:

دارالعلوم دیوبند اور اسکے ہم مشرب دیگر مدارس قوم کے مستقبل سے کھلواڑ کررہے ہیں، یہ ''شاہین بچوں'' کو ''خاک بازی'' کا درس دیتے ہیں، ''بایں طور'' کہ ان مدارس میں رائج نصاب، ماقبل نوآبادیاتی عہد کا ہے، اس کا دور شباب کبھی کا جاچکا، اس میں ضعیفی کے آثار نمایاں ہوگئے، پھر بھلا وہ موجودہ انقلابی واکتشافاتی دور کے تقاضے کیسے پورا کرسکتا ہے اور کہاں پورا کررہا ہے؟ یہاں سے فارغ ہونے والے ازبس کسی مسجد کے امام بن سکتے ہیں یا مؤذن، کسی مدرسے کے مدرس یا مکتب کے ''میاں جی'' اگر ہم نے تعلیم کو ان ہی پرانی زنجیروں میں جکڑے رکھا تو امت اسلامیہ کے

ساتھ شدید ناانصافی ہوگی اور آنے والی نسلیں ہمیں معاف نہیں کریں گی وغیرہ وغیرہ۔

دار العلوم کا موقف:

یہ تنقیدیں اور تبصرے، دعوے اور دلیلیں اپنی جگہ، حکومت کے مشورے اور ہمدردیاں سر آنکھوں پر، لیکن واقعہ یہ ہے کہ دار العلوم دیوبند اپنے موقف پر سختی سے قائم ہے، اور اپنے نصاب میں "جدید علوم" کی عدمِ شمولیت پر پہلے سے کہیں زیادہ سختی سے کاربند اور پابند عہد ہے، ان تجویزوں اور تنقیدوں کے جواب میں دار العلوم کا کہنا ہے:

'اپنے مقصد کی تکمیل میں مدارس کا موجودہ نصابِ تعلیم مفید اور پورے طور پر نتیجہ خیز ہے، اس لئے ہم نصاب تعلیم میں کسی بنیادی تبدیلی کو مدارس کے "مقاصد اصلیہ" کے لئے شدید مضرت رساں بلکہ ان کی روح کو ختم کرنے کے مترادف سمجھتے ہیں۔"(۱)

دار العلوم نہ صرف خود عصری علوم کی "پیوندکاری" کو مسترد کرتا ہے بلکہ وہ اپنے ہم مشرب دیگر مدارس کو (جو اسے اپنے مرکز کی حیثیت دیتے ہیں اور ہر مشکل گھڑی میں اس کی طرف رجوع کر کے اس سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں) بھی اپنے نقشِ قدم پر چلنے کی دعوت دیتا ہے، اور تنظیم 'رابطہ مدارس' کے واسطے سے موقع بہ موقع ان کا نمائندہ اجتماع بلا کر انہیں "پرانے شکاریوں" کے "نئے جال" سے آگاہ کرتا رہتا ہے۔

عصری علوم سے اجتناب کیوں؟

سوال یہ ہے کہ آخر دینی اداروں کو عصری علوم سے اس قدر بیر کیوں ہے؟ اور وہ انہیں "شجرۂ ممنوعہ" کیوں سمجھتے ہیں؟ اور کیا وجہ ہے کہ نصابِ تعلیم کو فرسودہ کہنے اور اس میں تبدیلی کی تحریک چلانے والوں کی بات پر کوئی توجہ نہیں دیتے؟ اس معمہ کے حل کے لئے ہمیں چند باتیں ذہن میں رکھنی ہوں گی۔

۱۔ اول یہ کہ کسی بھی ادارے (یا تحریک) پر کوئی تبصرہ خواہ تنقیدی ہو یا توصیفی' کرنے سے قبل دیکھنا پڑے گا کہ اس ادارے کے مقاصد کیا ہیں؟ اور کن اہداف کو حاصل کرنے کے لئے اس کا قیام عمل میں آیا ہے؟

۲۔ جن امور کو ادارے نے اپنے اہداف میں جگہ دی ہے وہ بجائے خود کتنی اہمیت کے حامل اور قوم وملت کے لئے کتنے ناگزیر، نفع بخش اور سودمند ہیں؟

۳۔ یہ کہ ادارے کی اب تک کی کارکردگی کیا رہی اور مقاصد کے حصول میں کتنی کامیابی ملی یا مل رہی ہے؟

یہ امور انتہائی اہم اور ضروری ہیں، ان کو نظر انداز کر کے کیا جانے والا کوئی تبصرہ یا تنقید ناقابل توجہ ہے اور دیا جانے والا کوئی مشورہ ناقابل عمل ہے۔

دینی مدارس، اہداف و مقاصد:

جب ہم مدارس کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں اور ان کے قیام کے پس منظر کو جاننے کی کوشش کرتے ہیں تو واضح

طور پر یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان کے قیام کا بنیادی مقصد اس تحتی براعظم میں (جو مرکز اسلام سے ہزاروں میل دور ہا بلکہ روئے زمین پر شرک و بت پرستی کا سب سے بڑا مرکز ہے) مسلمانوں کے ایمان وعقیدے کی حفاظت، اسلامی شعائر کا تحفظ، علوم اسلامیہ کی ترویج واشاعت، پیغام محمدی کی تبلیغ و دعوت، مسلمانوں میں رائج بدعات وخرافات کا قلع قمع اور نئے نئے فتنوں کا تعاقب کرتا ہے، اکابر چاہتے تھے کہ مدارس کی چہار دیواریوں میں امت کے سعادت مند نونہالوں کو اسلامی تعلیم وتربیت سے آراستہ کر کے اس قابل بنا دیا جائے کہ وہ ''مادیت'' کی تیز وتند آندھیوں میں ''روحانیت'' کے چراغ روشن کریں، سادہ اور قناعت کی زندگی اپنا کر، دین کی سربلندی اور گلشن محمدی کی آبیاری کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیں، ان اداروں کا قیام ہرگز اس لئے عمل میں نہیں آیا تھا کہ ان سے مادی فوائد حاصل کئے جائیں، اور دنیاوی خوشحالی کی راہیں آسان کی جائیں، اسی مقصد کو واضح کرتے ہوئے بانی دارالعلوم حضرت قاسم نانوتویؒ نے فرمایا تھا: ''ہم نے مدرسہ ملا، مولوی تیار کرنے کے لئے قائم کیا ہے جدید علوم کے لئے تو اور بہت سے دنیاوی ادارے ہیں''[۲]

اور حضرت مولانا یعقوب نانوتویؒ کا قول ہے: ''ہمیں تو پیدا ہی ایسا آدمی کرنا ہے جس کا گاہک دنیا میں کوئی نہ ہو، اگر کوئی گاہک دنیا میں مل گیا تو وہ آدمی کام سے گیا''[۳]

مقاصد کی اہمیت:

ہم نے جن امور کو مدارس کے اہداف میں شمار کیا ہے ان سے ایسے لوگوں کو ضرور مایوسی ہوئی ہوگی جن کے نزدیک معدے کو معاد پر اور مادیت کو روحانیت پر فوقیت حاصل ہے۔ اور جنہیں اسلام سے زیادہ مسلمانوں کی (بحیثیت ایک قوم اور نسل ہونے کے) ترقی کی فکر ہے، لیکن جنہیں بھی شاعر کے قول: ''قوم مذہب سے ہے مذہب جو نہیں تم بھی نہیں'' سے اتفاق ہوگا ان کو مذکورہ بالا مقاصد کی افادیت اور ناگزیریت سے انکار نہیں ہوسکتا، حضرت مولانا علی میاں ندویؒ فرماتے ہیں: جب مسلمانوں کا سیاسی قلعہ ان کے ہاتھ سے نکل گیا تو علماء نے اسلامی شریعت وتہذیب کے قلعے قائم کر دئے آج اسلامی تہذیب ان ہی قلعوں میں پناہ گزیں ہے اور اس کی ساری طاقت وقوت ان ہی پر موقوف ہے''[۴] شاعر مشرق اقبال مرحوم کسی مدرسے سے فارغ ''خشک'' مولوی اور تنگ نظر ''ملا'' نہ تھے بلکہ وہ جدید تعلیم یافتہ ایک ''روشن خیال'' شخصیت کے مالک تھے، کالجوں میں تعلیم حاصل کی تھی، اور لندن و پیرس سے ڈگریاں لے کر آئے تھے، تاہم اتنا ضرور ہے کہ انہیں اسلام سے سچا عشق تھا۔ اور خدا کی توفیق سے اپنوں کی ''سادگی'' اور ''غیروں'' کی ''عیاری'' سے بخوبی واقف تھے۔ ان کے سامنے ایک مرتبہ دینی مدرسوں اور مکتبوں کی شکایت کی گئی تو انہوں نے جو کچھ کہا (بلکہ ان سے جو کچھ کہلوایا گیا) وہ تاریخ کے صفحات میں آبِ زر سے لکھے جانے کے لائق ہے، انہوں نے کہا: ان مکتبوں اور مدرسوں کو اپنی حالت میں رہنے دو اگر یہ ملا اور درویش نہ رہے تو جانتے ہو کیا ہوگا؟ جو کچھ ہوگا میں ان آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں، جس طرح اسپین میں مسلمانوں کی آٹھ سو سالہ حکومت کے باوجود آج غرناطہ وقرطبہ کے

کھنڈرات کے سوا اسلامی تہذیب کا کوئی نقش نہیں ملتا اسی طرح ہندوستان میں بھی آگرہ کے تاج محل اور دہلی کے لال قلعہ کے سوا مسلمانوں کی تہذیب کا کوئی نشان نہ ملے گا۔ (۵)

حیرت انگیز کامیابی

کیونکہ ان قلعوں کی بنیادوں میں اکابر کے مقدس ہاتھوں سے اخلاص کی پاکیزہ مٹی لگی ہوئی تھی' اس لئے انہیں اپنے مقاصد میں حیرت انگیز کامیابی ملی اور ان چہار دیواریوں سے قلیل مدت میں ہزاروں مفسر' محدث' فقیہ' متکلم' مبلغ اور مناظر تیار ہوکر نکلے' جنہوں نے اسلامی تعلیمات کو گاؤں گاؤں اور گھر گھر پہونچایا' اسلام مخالف تحریکات کی سرکوبی کی' وطن عزیز کو انگریزی سامراج کے پنجوں سے آزاد کرایا' ناموس رسالت اور مقام صحابہ کی حفاظت کی' مادیت پرستوں کے ذلت آمیز نعرے ''چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی'' کے مقابلے میں۔

ہم اپنا کیوں طرزِ فکر چھوڑیں' ہم اپنی کیوں وضع خاص بدلیں
کہ انقلاباتِ نو بنو تو ہوا کئے ہیں' ہوا کریں گے کی قلندرانہ صدا بلند کی

الغرض ان اداروں نے اپنی بے سروسامانی کے باوجود وہ سب کر دکھایا جو ایک عظیم اسلامی سلطنت کی ذمہ داری ہوا کرتی ہے۔ اور اتنے بڑے پیمانے پر کیا جس کی نظیر پچھلی تین سو سالہ تاریخ میں نہیں ملتی۔

پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے:

دار العلوم اور اس کے شانہ بشانہ سفر کرنے والے مدارس نے مختلف جہات میں جو خدمات انجام دی ہیں ان کا آوازہ عالم کے کونے کونے میں بلند ہوا' علمی دنیا نے انہیں قدر کی نگاہوں سے دیکھا' اور ان پر اعتراف وتحسین کے پھول نچھاور کئے' علامہ رشید رضا مصریؒ کی جلالت علمی سے کون انکار کرسکتا ہے' آپ ۱۹۱۲ء میں ہندوستان تشریف لائے' ندوہ کے سالانہ جلسہ میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے شرکت فرمائی' دیگر مکاتب فکر کے اصحاب سے ملاقات کا موقع ملا' آخر میں دیوبند تشریف لائے' یہاں کی علمی وروحانی فضا کو دیکھ کر ان کی زبان سے یہ جملہ نکلا اور تاریخ کے صفحات پر ہمیشہ کے لئے نقش ہوگیا: اگر میں دار العلوم کو نہ دیکھتا تو ہندوستان سے نہایت غمگین واپس جاتا (لولم أرها لرجعت من الهند حزيناً) (۶)

کچھ تو ہے جس کی......

اوپر کی معروضات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ دینی اداروں کے قیام کا اصل مقصد مسلمانوں کی دینی ضروریات کی تکمیل ہے نہ کہ دنیوی خوشحالی کے اسباب کی فراہمی' ان کی چہار دیواریوں میں دین کے دعاۃ اور اسلام کے شیروں کی نشو ونما ہوتی ہے' نہ کہ دنیا کی وسعتوں کے ''طالبین'' اور آرائش جہاں کے ''متوالوں'' کی لہذا ان کو اس لئے ہدفِ ملامت بنانا کہ یہاں سے ''رجال الدنیا'' اور عباد الدراہم والدنانیر'' نہیں پیدا ہوتے اور یہ ادارے

یونیورسٹیوں کی طرح وکیل' ڈاکٹر' انجینئر' صنعت کار اور فلم ساز فراہم نہیں کرتے' یا تو کم علمی کی وجہ سے ہے یا اس تنقید کے پس پردہ تنگ نظری اور عصبیت کارفرما ہے' کیا کسی کالج پر اس لئے انگلی اٹھائی جاسکتی ہے کہ وہاں سے علماء' حفاظ اور فقہا پیدا نہیں ہوتے؟ یا کسی صابن کی فیکٹری پر اس لئے لب کشائی کی جاسکتی ہے کہ وہ جوتے' کپڑے اور دودھ وغیرہ تیار نہیں کرتی؟ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیوں نہ موجودہ نصاب کے اہم اور بنیادی مضامین' تفسیر' حدیث وفقہ کو اپنی جگہ برقرار رکھتے ہوئے سائنس' جغرافیہ اور اس جیسے دوسرے ضروری مضامین کو بھی نصاب میں جگہ دی جائے؟ اس طرح ''قدیم صالح'' کے ساتھ ''جدید نافع'' کی آمیزش ہوگی' اور اس انوکھے امتزاج سے جو ''شرابِ طہور'' تیار ہوگی اسے پی کر تشنگان علم وفن' دور حاضر کے غزالی اور رازی بن کر نکلیں گے اور جدید فلسفہ کی بلند وبالا عمارت کی چولیں ہلا دیں گے۔ اور اس کی جگہ اسلامی تہذیب وتمدن کا شاندار قصر دوبارہ تعمیر کریں گے۔ یہ بات بظاہر جتنی پرکشش ہے' تجربہ اور مشاہدہ کی دنیا میں اسی قدر بے حیثیت اور ناقابل علم' ''قدیم صالح'' کے ساتھ ''جدید نافع'' کی پیوندکاری کے مبینہ نسخے پر عمل کیا جائے تو مغربی فلسفے کی چولیں شاید نہ ہلیں' اور غزالیٔ وقت' رازیٔ زمانہ کے پیدا ہونے کا خواب تو شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکے لیکن اتنا ضرور ہے کہ ''قدیم'' کی ''صالحیت'' جدید کی ''نافعیت'' کے سیلاب میں بہہ جائے گی اور تعلیم وتربیت کا موجودہ کاروبار بھی (خواہ وہ کسی درجہ میں انجام پارہا ہو) ٹھپ پڑ جائے گا' کسی نے حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ کو یہی مشورہ دیا تو آپ کی مومنانہ فراست نے جواب دیا: ''زمانہ واحد میں علوم کثیرہ کی تحصیل سب علوم کے حق میں باعث نقصان رہتی ہے۔ (۷)

دو کشتیوں میں سوار:

ہمارے سامنے ان اداروں کا حال موجود ہے جنہوں نے دو کشتیوں پر بیک وقت سفر شروع کیا تھا' لیکن چند خوش قسمتوں کے علاوہ وہاں کے اکثر فضلاء ''نیم حکیم خطرۂ جان'' اور ''نیم ملا خطرۂ ایمان'' کا مصداق بن گئے ایسے ہی ایک ادارے کا حال بیان کرتے ہوئے صاحب موج کوثر لکھتے ہیں...... کا دعویٰ تھا کہ وہ قدیم وجدید بالفاظ دیگر علی گڑھ ودیوبند کا مجموعہ ہوگا لیکن جس طرح ''آدھا تیتر آدھا بٹیر'' نہ اچھا تیتر ہوتا ہے نہ اچھا بٹیر...... میں نہ علی گڑھ کی پوری خوبیاں آئیں اور نہ دیوبند کی۔ (۷)

قدیم وجدید کی پیوندکاری کے نقصانات اگر صرف تعلیم ہی تک محدود رہتے تو بھی مدارس کو ان سے بچانا لازم اور ضروری تھا! لیکن دلچسپ بات تو یہ ہے کہ اس کی زد تعلیم سے زیادہ تربیت پر پڑتی ہے' اسلامی روح طلبہ سے غیر شعوری طور پر رخصت ہونے لگتی ہے' خدمت دین کا جذبہ سرد پڑتا جاتا ہے اور ان کے افکار وخیالات پر جدیدیت و مادیت چھا جاتی ہے۔ سید سلیمان ندویؒ کا علمی وفکری تعلق اسی خانوادے سے تھا جس نے مدارس میں ''قدیم صالح'' اور ''جدید نافع'' کا دلفریب نعرہ سب سے اول بلند کیا تھا' لیکن سید صاحبؒ کو آگے چل کر جس تلخ تجربے سے دوچار ہونا پڑا!

اس کا اندیشہ اکابر دیوبند نے پہلے بھی ظاہر کیا تھا اور آج بھی کر رہے ہیں' سید صاحب لکھتے ہیں: انگریزی خواہ علماء کی ضرورت جیسے جیسے روز بروز بڑھتی جارہی ہے وہ تو معلوم ہے' لیکن مشکل یہ ہے کہ علماء انگریزی خواں ہونے کے بعد عالم نہیں رہتے (۸) غور کیجئے انگریزی خواں ہونے کے بعد طلباء عالم نہیں رہتے تو ارباب مدارس' اپنے نصاب میں عصری علوم کی شمولیت کو بھلا کیسے گوارا کر سکتے ہیں؟۔

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

آخری بات

بلاشبہ یہ دینی ادارے (اپنے موجودہ نصاب ونظام پر باقی رہتے ہوئے) دینی وشریعت کی حفاظت کے سب سے مضبوط قلعے اور فتنوں سے بچاؤ کے محفوظ ترین جزیرے ہیں یہ ہمارے ہاتھوں میں اکابر کی مقدس امانتیں ہیں جن میں تصرف وتغیر اور ان کے بنیادی ڈھانچوں کو تبدیل کرنے کا حق ہمیں یا کسی کو ہرگز نہیں پہنچتا' لہذا انہیں ان کے اصلی نہج پر قائم رکھنا ہمارا فریضہ ہے' خصوصاً ایسے وقت میں جب باطل پوری تیاری کے ساتھ میدان میں آچکا ہے اور ہمارے مذہبی شعائر اور تہذیب وتمدن کو مٹانے اور ملی تشخصات وامتیازات کو قصہ پارینہ بنا دینے کا تہیہ کر چکا ہے' خدانخواستہ اگر ہم نے طعن وتشنیع کی تیز وتند آندھیوں سے گھبرا کر اور مادیت کے طوفانِ بلاخیز سے خوف کھا کر ان اداروں کی ماہیت کو تبدیل کر دیا اور انہیں مدارس نما کالجوں اور حرم نما بتکدوں میں بدل دیا تو یہ ایک ایسا جرم ہوگا جس کی تلافی کبھی نہیں کی جا سکتی اور آنے والی نسلیں ہمیں ہرگز معاف نہیں کریں گی۔

فطرت' افراد سے اغماض تو کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

حواشی

۱۔ جدید سکریٹری رپورٹ رابطہ مدارس عربیہ ص۔۶۸
۲۔ ماہنامہ دارالعلوم اکتوبر ۱۹۹۴ء
۳۔ دینی تعلیم کی موجودہ صورتحال' ص۔۱۰
۴۔ خوں بہا' ص۔۴۲۹' بحوالہ الجمعیۃ دینی مدارس نمبر ص:۱۳
۵۔ موج کوثر: ص ۲۱۰
۶۔ سوانح قاسمی' ج:۲' ص:۲۸۳
۷۔ موج کوثر: ص:۱۹۲
۸۔ تاریخ ہندوستان' ج:۳ ' ص:۲۴۵